POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 17-18 May 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان

اشاعت کا 87واں سال

Date of Publication: 16-05-2026 • Price: 5/- • 22-28 May 2026 • Issue: 20 • Vol:85

۲۲ تا ۲۸ / مئی ۲۰۲۶ء • شمارہ: ۲۰ • جلد: ۸۵

صحتِ زبان (۴۵)

رؤف پاریکھ

فوتگی اور فوتیدگی یعنی؟

مشتاق احمد یوسفی صاحب نے اپنی کتاب خاکم بدہن میں شان الحق حقی صاحب کی زبان دانی کی داد دیتے ہوئے ان کی غائب دماغی کا ذکر بھی پُر لطف انداز میں کیا ہے۔ حقی صاحب نے جب بے خیالی میں یوسفی صاحب کی گاڑی میں اسٹیئرنگ وِیل سنبھال لیا اور اپنی گاڑی کی چابی سے یوسفی صاحب کی گاڑی اسٹارٹ کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگے تو یوسفی صاحب نے کہا:

"قصور دراصل ہماری کار کے سوراخ کا ہے جو آپ کی چابی میں فِٹ نہیں ہو رہا۔ چمک کر بولے۔ ہاں! قصور پر خوب یاد آیا۔ آپ نے ایک جگہ فوتیدگی لکھا ہے۔ یہ مارواڑیوں کی سی اردو آپ نے کہاں سے سیکھی؟ عرض کیا مارواڑ میں، جہاں ہم پیدا ہوئے تھے۔ ہمیں کار سے اتار کر فٹ پاتھ پر گلے لگاتے ہوئے بولے تو گویا اردو آپ کی مادری زبان نہیں ہے" (ص ۱۴۳)۔

حقی صاحب آج حیات ہوتے تو نہ جانے ان لوگوں کا کیا حشر کرتے جن کی مادری زبان اردو ہے تو سہی مگر انھوں نے اردو خدا جانے کہاں سے سیکھی ہے۔ اب تو یہ حال ہے کہ جو اہلِ زبان بعض لوگوں کی اردو پر انشاءاللہ خاں انشاء کے الفاظ میں یہ کہہ کر ناک بھوں چڑھایا کرتے تھے کہ 'محاورۂ اہلِ پنجاب' ہے اب خود ان کی اولادیں 'میں نے جانا ہے'، 'مجھے سمجھ نہیں آتی' اور 'فوتگی' بولتی ہیں۔ وہ حضرات آج حیات ہوتے تو اپنی اولاد کو یہ کہہ کر تو ہرگز گلے نہیں لگاتے کہ "تو گویا اردو آپ کی مادری زبان نہیں ہے"۔

بات یہ ہے کہ زبان کوئی جامد شے نہیں ہے۔ یہ بدلتی رہتی ہے، زمانے کے لحاظ سے بھی اور علاقے کے لحاظ سے بھی، اور اردو کا علاقائی محاورہ اور تلفظ تو ویسے بھی ہر خطے میں اپنے رنگ دکھاتا رہا ہے، خواہ بہار ہو یا دکن، گجرات ہو یا پنجاب، لیکن کچھ الفاظ اور محاورات ایسے ہیں جو اہلِ زباں کو تو چھوڑیے، اردو کے ان مختلف خطّوں میں بھی درست نہیں سمجھے جاتے جن کا شمار اردو بطور مادری زبان بولنے والوں میں نہیں ہوتا۔ ان الفاظ میں فوتگی اور فوتیدگی بھی شامل ہیں جیسے پنجاب میں عام لوگ بولتے ہیں مگر زبان کا شعور رکھنے والے اس کے استعمال میں احتیاط کرتے ہیں۔

فوتگی اور فوتیدگی کو فصیح نہیں سمجھا جاتا، جیسا کہ حقی صاحب کے اعتراض سے ظاہر ہے اور علیم ناصری نے لکھا ہے کہ فوتگی اور فوتیدگی کا استعمال غلط ہے اور "اردو اور فارسی کی کسی لغت میں اس بدعت کا وجود نہیں ہے"[1]۔ ہمارا بھی یہی خیال تھا کہ موت یا انتقال یا وفات کو بعض لوگ فوتیدگی لکھتے ہیں اور کچھ لوگ فوتگی بھی بولتے ہیں جو غلط ہے کیوں کہ فوت تو عربی کا لفظ ہے اور فوتیدہ اور فوتیدگی گویا فوتیدن سے بنے ہیں جب کہ فارسی میں 'فوت شدن' تو مستعمل ہے مگر مصدر 'فوتیدن' بھلا کہاں ہوگا جس سے بھائی لوگوں نے فوتیدگی اور اس کا مزید بگاڑ فوتگی بنا لیے ہیں۔ لیکن:

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے

یعنی ہمارا یہ فخریہ گمان کہ فارسی میں فوتیدن کوئی مصدر نہیں ہے غلط ثابت ہوگیا اور وہ یوں کہ اسٹین گاس نے اپنی فارسی بہ انگریزی لغت میں فوتیدن درج کیا ہے اور معنی لکھے ہیں: to die۔ اس لغت میں فوتیدہ بھی درج ہے جس کے معنی دیے گئے ہیں: death, decease[2]۔ لیجیے صاحب ہم تو ان لوگوں کی اردو پر انگلی اٹھاتے تھے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے (ہماری طرح)، اور علیم ناصری صاحب کا دعویٰ تھا کہ فوتیدگی کی 'بدعت' اردو یا فارسی کی کسی لغت میں نہیں ہے۔ مگر اردو لغت بورڈ کی لغت میں بھی فوتیدگی درج ہے اور اس میں ایک کتاب کی سند بھی دی گئی ہے[3]۔ چلیے صرف ایک سند ہونے کی بنا پر ہم اسے نظر انداز کر دیتے لیکن فارسی والوں نے تو لٹیا ہی ڈبو دی اور فوتیدگی کو صداقت نامۂ طبّی (medical certificate) جاری کر دیا۔ یعنی بقولِ مومنؔ:

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

حقی صاحب نے بھی فرہنگِ تلفظ میں 'فوتیدہ' درج کیا ہے، لیکن وضاحت کی ہے کہ یہ 'عوامی' استعمال ہے، گویا فصیح نہیں ہے۔ حقی صاحب نے اپنی اس لغت میں 'فوتیدگی' بھی دیا ہے لیکن یہاں وضاحت کی ہے کہ فوت عربی ہے مگر فوتیدگی 'فارسی تصرفات' میں سے ہے[4]۔

گویا طے یہ ہوا کہ فوتیدہ اور فوتیدگی بہرحال وجود تو رکھتے ہیں اگرچہ فصیح خیال نہیں کیے جاتے اور ان کا استعمال 'عوامی' ہے، یعنی یوسفی صاحب کو حقی صاحب کے انتباہ کا بہرحال جواز تو تھا۔

اَولیٰ یا اُولیٰ؟

دونوں درست ہیں، دونوں عربی کے لفظ ہیں لیکن دونوں کا مفہوم الگ ہے۔ اُولیٰ (واوِ معروف) دراصل اَوّل کی تانیث ہے اور عربی کے مؤنث الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ اردو والوں نے اس کے استعمال میں کچھ تصرفات روا رکھے ہیں مثلاً تکبیرِ اُولیٰ کی ترکیب میں۔ تکبیرِ اُولیٰ یعنی پہلی تکبیر (جو نماز میں کہی جاتی ہے) میں 'اُولیٰ' لکھتے ہیں کیوں کہ اردو میں تکبیر مؤنث ہے البتہ عربی کے لحاظ سے تکبیرِ اوّل ہونا چاہیے کیونکہ عربی میں تکبیر مذکر ہے[5]۔ لیکن اردو میں تکبیرِ اُولیٰ رائج ہے۔ اسی طرح اردو والے مصرعِ اُولیٰ لکھتے اور بولتے ہیں حالاں کہ اردو میں مصرع مذکر ہے (جس کا غلط املا 'مصرعہ' ہے)۔ اصولاً مصرعِ اوّل کہنا چاہیے لیکن 'مصرعِ اولیٰ' کی ترکیب اردو میں اتنی رائج ہے کہ کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ یہ غلط ہے۔

جب کہ اَولیٰ (واوِ لین) کا مفہوم ہے: بہتر، افضل، زیادہ اچھا، سب سے اچھا۔ اَولیٰ دراصل تفضیل ہے۔ پلیٹس[6] اور قیوم ملک[7] نے لکھا ہے کہ اَولیٰ 'ولی' کی تفضیل ہے، لیکن اردو لغت بورڈ نے اسے 'والی' کی تفضیل لکھا ہے[8]۔ کیا فرماتے ہیں علماے صرف ونحو، بیچ اس مسئلے کے؟

حرارتِ عزیزی نہیں، حرارتِ غَرِیزی

اردو کے کاتبوں کی غلط نویسی نے جن الفاظ اور مرکبات کو عجوبہ بنا دیا ہے ان میں حرارتِ غَرِیزی بھی شامل ہے۔ بعض لوگ اسے حرارتِ عزیزی لکھتے اور پڑھتے ہیں کیونکہ کتابت کچھ اس انداز سے کی جاتی ہے (یا کی جاتی تھی) کہ 'عزیزی' پڑھا جاتا ہے، لیکن اس کا کسی عزیز سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی ابتدا میں عین (ع) نہیں غین (غ) ہے۔ غریزی میں غین پر زبر ہے اور اس کے بعد رے (ر) ہے اور یاے معروف (ی) کے بعد زے (ز) ہے۔ گویا اس کا املا 'غَ ری زی' ہے،

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

ع زی زی نہیں ہے۔ غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے لکھا ہے کہ غریزی کو بعض لوگ عزیزی بولتے ہیں۔ ان کے بقول غریزی کے معنی ہیں اصلی، طبعی، انسان کے جسم کی گرمی جس سے وہ زندہ رہتا ہے[9]۔ عربی میں ایک لفظ ہے غَرِیزَۃ، بیائے معروف، جس کا مطلب ہے طبیعت[10]۔ حقی صاحب نے اسے فرہنگِ تلفظ میں غَرِیزت لکھا ہے، یعنی تائے مدوّرہ (گول ت) کو تائے دراز (لمبی ت) سے لکھا ہے جیسا کہ اردو میں بہت سے عربی الفاظ کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور معنی دیے ہیں: طبیعت، فطرت، عادت، سرشت۔

مصرع، برقع اور موقع

اردو میں بعض لوگ مصرع کا املا 'مصرعہ' کرتے ہیں لیکن درست املا مصرع ہے۔ مصرع کے لفظی معنی ہیں کواڑ یعنی دروازے کا ایک تختہ۔ دو تختے مل کر دروازہ بنتا ہے اور دو مصرعے مل کر شعر بنتا ہے اور اسی مناسبت سے نصف شعر کو مصرع کہا جاتا ہے[11] گویا مصرع دروازے کا ایک پٹ ہے۔ شعر کو بیت بھی کہتے ہیں اور بیت کے لفظی معنی گھر بھی ہیں، تو یوں کہیے کہ ایک گھر کے دروازے کے دو پٹ ہیں۔

لفظ مصرع کا ایک املا مصراع (م ص راع) بھی ہے جس کی اسناد خاصی تعداد میں اردو لغت بورڈ نے دی ہیں[12]۔ لیکن اس کو مصرعہ (یعنی آخر میں 'ہ') لکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے اپنے استاد احسن مارہروی کے املا سے متعلق خیالات 'نکاتِ احسن' کے نام سے قلم بند کیے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ''بعض عام اغلاط کے متعلق حضرتِ احسن کا قول دیکھیے: آج کل مع کے بجائے بمعہ، موقع کے بجائے موقعہ لکھتے ہیں، یہ غلط ہے''[13]۔

جس طرح مع کو معہ یا بمعہ اور مصرع کو مصرعہ لکھنے کی کوئی تک نہیں ہے، اسی طرح موقع اور برقع کو موقعہ اور برقعہ لکھنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر موقع، مصرع اور برقع کی قائم حالت میں جمع بنائی جائے تو اس کے آخر میں 'ے' کا اضافہ کرنا چاہیے (مثلاً دو مصرعے، کئی موقعے، چار برقعے) یا محرّف حالت میں بطورِ واحد استعمال کیا جائے (مثلاً اِس برقعے میں، ایک موقعے پر، اُس مصرعے کو) تو اس صورت میں بھی ان الفاظ کے آخر میں 'ے' کا اضافہ ہوگا۔ اگرچہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایسے موقعوں پر آخری حرف یعنی عین (ع) سے پہلے والے حرف کے نیچے زیر لگانا چاہیے یعنی مثلاً موقِع پر، مصرِع میں۔ پروفیسر آسی ضیائی کا خیال ہے:

> ''تمام عربی الفاظ جو 'ع' یا 'ح' پر ختم ہوتے ہیں منصرف ہیں، بشرطے کہ آخری 'ع' یا 'ح' سے پہلے کوئی حرفِ علت (الف، واو، ی) نہ ہو بلکہ زبر ہو، مثلاً موقَع، مصرَع، مطلَع، مذبَح وغیرہ کو مجرور حالت میں موقعے، مصرعے،، مطلعے، مذبحے وغیرہ پڑھنا چاہیے''[14]۔

سوال یہ ہے کہ اگر 'ے' پڑھنی ہے تو کیوں نہ لفظ کے املا میں آخر میں 'ے' کا اضافہ کر دیا جائے اور ان الفاظ کی قائم حالت میں جمع اور محرّف حالت میں واحد کو کیوں نہ موقعے، مصرعے اور مطلعے وغیرہ لکھا جائے؟ رشید حسن خاں صاحب نے لکھا ہے کہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں ہائے مختفی نہیں ہے مگر ان کے آخر میں 'ہ' خواہ مخواہ شامل کر دی جاتی ہے، مثلاً مصرع، موقع، برقع، موضع یعنی انھیں مصرعہ اور موقعہ وغیرہ لکھا جاتا ہے جو درست نہیں ہے[15]۔ اس ضمن میں رشید حسن خاں کے استفسار کے جواب میں عبدالستار صدیقی نے ایک خط میں انھیں لکھا کہ اگر مصرع، برقع اور موقع کی اردو کے لحاظ سے جمع بنانی ہو تو مصرعے، برقعے اور موقعے لکھنا چاہیے۔ ان الفاظ کو واحد محرّف حالت میں بھی مصرعے، برقعے اور موقعے لکھیں گے[16]۔ اسی طرح دیگر الفاظ کے املا میں بھی ہوگا مثلاً مطلعے، مقطعے، ضلعے، موضعے۔ ان کی جمع جب محرف حالت میں آئے گی تو برقعوں، مصرعوں، مطلعوں، مقطعوں، موضعوں، ضلعوں وغیرہ لکھا جائے گا، اگرچہ ان کے تلفظ میں 'ع' نہیں آتا[17] (مراد یہ کہ ان کے اردو تلفظ میں 'ع' عام طور پر نہیں بولا جاتا)۔

مجھے سمجھ نہیں آتی یعنی؟

اب پاکستان میں 'آپ کو سمجھ آئی؟' اور 'مجھے سمجھ نہیں آتی' جیسے فقرے عام استعمال ہوتے ہیں اگرچہ 'سمجھ آنا' اور 'سمجھ میں آنا' اردو میں مختلف مفاہیم کے حامل ہیں۔

فرہنگِ آصفیہ کے مطابق سمجھ کا ایک مفہوم عقل، فہم دانش اور شعور بھی ہے اور آصفیہ ہی کے مطابق سمجھ آنا کا مطلب ہے ہوش سنبھالنا، سیانا ہونا، بچہ بڑا ہونا۔ آصفیہ نے سمجھ آنا کا ایک مطلب لکھا ہے: عقل آنا، آنکھیں کھلنا اور مثال میں فقرہ دیا ہے: اتنا کھو کر سمجھ آئی[18]۔ گویا جب ہم کہتے ہیں کہ اس بچے کو ابھی تک سمجھ نہیں آئی تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کہ اسے ابھی تک عقل نہیں آئی، شعور نہیں آیا، یہ ابھی سیانا نہیں ہوا، ہوش نہیں سنبھالا۔ اردو میں ایک اور محاورہ ہے سمجھ میں آنا۔ آصفیہ نے سمجھ میں آنا کا مفہوم لکھا ہے: فہم میں آنا، خیال میں آنا، سمجھنا۔ اس لیے جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ 'مجھے سمجھ نہیں آتی' وہ ذرا غور فرمالیں کہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

بہتر ہوگا کہ وہ یہ کہیں کہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن یہ بات ہماری ''سمجھ میں نہیں آتی'' کہ انھیں کب ''سمجھ آئے گی''، کب سیانے ہوں گے؟ اتنے بڑے تو ہو گئے ہیں، کب ہوش سنبھالیں گے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس طرح کے فقرے اب پاکستان میں وہ لوگ بھی بولنے لگے ہیں جن کے باپ دادا خود کو بڑے فخر سے اہلِ زباں کہتے تھے اور اردو کو اپنے گھر کی لونڈی سمجھتے تھے۔ بقولِ ابنِ انشا جو لوگ اردو کو گھر کی لونڈی سمجھتے ہیں وہ اس سے سلوک بھی ویسا ہی کرتے ہیں۔

حواشی:

۱ زبانِ خامہ کی خامیاں (لاہور: دارالطیب، ۲۰۱۷ء)، ص ۸۷۔
۲ A Comprehensive Persian-English Dictionary (مرتبہ ایف اسٹین گاس F. Steingass)، (لاہور: سنگ میل ۲۰۰۰ء،) (عکسی طباعت، اشاعتِ اول ۱۸۹۲ء)۔
۳ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد ۱۴ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۹۲ء)۔
۴ فرہنگِ تلفظ (اسلام آباد ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۲ء) (اشاعتِ نو)۔
۵ قاموس الاغلاط (مرتبہ سید مختار احمد اور مولانا ذہین)، (حیدرآباد (دکن): مکتبۂ ابراہیمیہ، سنہ ندارد)، ص ۲۱ (ضمیمہ نمبر ۱)۔
۶ A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English، (مرتبہ جان ٹی پلیٹس John T. Platts، لندن: کراسبی لاک وڈ اینڈ سنز، ۱۹۱۱ء (اشاعتِ اول ۱۸۸۴ء)۔
۷ اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، ۱۹۷۹ء)، ص ۱۰۱ (پہلا ایڈیشن)۔
۸ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد اول (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔
۹ ہمارا تلفظ (حیدرآباد (سندھ): طابع پیراماؤنٹ پریس، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۵-۱۴
۱۰ مصباح اللغات (مرتبہ عبدالحفیظ بلیاوی) (لاہور: المصباح، سنہ ندارد)۔
۱۱ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشّافِ تنقیدی اصطلاحات (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۷۷۔
۱۲ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۱۸ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۲۰۰۲ء)۔
۱۳ علمی نقوش (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، سنہ ندارد)، ص ۲۱۷۔
۱۴ درست اردو (لاہور: ادارۂ معارفِ اسلامی، ۱۹۹۱ء)، ص ۸۵ (اشاعتِ دوم)۔
۱۵ خاں، رشید حسن، اردو املا، دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۱۹۹۸ء، ص ۳۱۲ (دوسرا ایڈیشن)۔
۱۶ ایضاً، ص ۴۴۳-۴۴۲
۱۷ ایضاً۔
۱۸ فرہنگِ آصفیہ (مرتبہ سید احمد دہلوی) (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء)۔

ریٹائرڈ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی-75270 (پاکستان)
E-mail: drraufparekh@yahoo.com
Mob. No.: 0322 384 2648

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین ومقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرور الہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-

احمد اقبال: تعلیم اور ادب کے مردِ درویش

ڈاکٹر غضنفر اقبال

تعلیم اور ادب کے مردِ درویش کے نام سے مرحوم احمد اقبال نے 5 نومبر 1940 کو اورنگ آباد کی دینی علمی اور ادبی فضا میں آنکھ کھولی تھی۔ ان کی پرورش و پرداخت ان کے والدین مولوی شیخ داؤد، زینب بی نے بڑے ناز و نعم سے کی تھی۔ احمد اقبال ایم اے (اردو) اور بی ایڈ میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اورنگ آباد کے مختلف اردو مدارس میں بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے ہاں تعلیم و تدریس کے لیے غیر معمولی لگن تھی۔ وہ نہایت سادہ اور مہذب انسان تھے ان کا رویہ ہمیشہ خوش اخلاقی پر مبنی تھا۔ احمد اقبال شفیق شخصیت کے سبب شاگردوں میں خاصے مقبول تھے۔ شعبۂ تعلیم کی تدوین و تعمیر میں ان کی شخصیت نے گہرے اور دیرپا نقوش چھوڑے ہیں۔ راقمِ تحریر کی مرحوم سے کئی ملاقاتیں ہوئیں تھیں۔ 2007 میں شہر پونا میں واقع دفتر بال بھارتی اورنگ آباد کی عوام دوست شخصیت ڈاکٹر محمد ابراہیم کے ہمراہ جانا ہوا تھا۔ وہاں راقمِ تحریر کی آنکھ نے دیکھا دفتر میں تعلیمی فلسفہ و فن کے ماہرین سلیم شہزاد، ڈاکٹر عبدالرحیم نشتر، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، احسن فاروقی اور احمد اقبال براجمان ہیں۔ اور مذکورہ اصحاب خان نوید الحق کی سربراہی میں مہاراشٹر کے اردو مدارس میں پڑھائی جانے والی کتب بال بھارتی، کمار بھارتی اور یووک بھارتی کی تدوین و تسوید میں مصروف تھے۔ احمد اقبال نے اُس ملاقات میں تعلیمی پالیسی، تعلیمی نظم و نسق اور تعلیم کی اختراع کے علاوہ درسی کتب کی تدوین و تحقیق پر سیر حاصل اور اطمینان بخش گفتگو فرمائی تھی۔ احمد اقبال کی رحلت کے بعد راقمِ تحریر کے ایک سوال کے جواب میں خان نوید الحق سربراہِ بال بھارتی (پونا) کہتے ہیں:

> ''نصابی کتب کی تیاری اور نظرِ ثانی میں شرکت بال بھارتی کے تحت تیار ہونے والی اردو نصابی کتب کی تیاری نے تدوین اور نظر ثانی کے مراحل میں اور اقبال صاحب نے بھرپور علمی تعاون پیش کیا۔ وہ زبان کی صحت، اسلوب کی سلاست اور طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق مواد کی ترتیب پر خاص توجہ دیتے تھے۔''

(بہ حوالہ: سوال نامے کا جواب، 7 مارچ 2026)

احمد اقبال کا باطن صاف اور کردار بلند تھا۔ پیشۂ معلّمی میں فرض شناسی کی مثال قائم کی اور ہمیشہ جہدِ مسلسل کا درس دیا۔ احمد اقبال کے لائق و فائق صاحبزادے ڈاکٹر شیخ اشفاق اقبال کے بیان کے مطابق احمد اقبال بہ سلسلۂ ملازمت خلد آباد کے اسکول سے وابستہ تھے۔ بس کی ہڑتال ہونے کے سبب وہ سائیکل پر سوار ہو کر خلد آباد جاتے اور اپنے فرائضِ منصبی کی تکمیل کے بعد واپس لوٹ جاتے تھے۔ اسی اسکول میں انھوں نے شش جہت ترقی کی مساعی کی تھی۔ تعلیم و تدریس کے تئیں احمد اقبال نے بڑی پتے کی بات لکھی تھی:

> — کلاس روم میں داخل ہونے سے پہلے اپنے سبق کی مکمل تیاری کریں۔
> — لباس، حرکات و سکنات کی طرف دھیان دیں۔
> — آواز بلند ہو تا کہ آواز آخری طالب علم تک پہنچے۔
> — تلفظ واضح ہو اور خود اعتماد ہو۔
> — آواز کا اتار چڑھاؤ یکساں ہو بات کے آخر میں الفاظ دھیمے نہ پڑیں۔
> — نفس مضمون طلبہ کی سمجھ میں آجائے۔''

(بہ حوالہ: 'اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا'، 'گاہے گاہے باز خواں'، احمد اقبال، ص 45)

احمد اقبال کی تدریسی سلسلے کی ان کے نام سے جڑی ایک دلچسپ کہانی بھی ہے۔ اورنگ آباد ایس ایس سی بورڈ کے امتحانات کے بعد جوابی پرچوں کی جانچ دو مرحلوں میں طے پاتی تھی۔ پہلے مرحلے میں یہ پرچے مختلف شہروں میں برسرِ کار اساتذہ کو سونپے جاتے تھے جنھیں Examiner کہا جاتا تھا۔ ایگزامینر عام طور پر نرمی کا رویہ اپناتے ہوئے جواب کی جانچ کرتا تھا۔ پھر دوسرے مرحلے میں ان جانچ شدہ پرچوں کو Moderator کے یہاں بھیجا جاتا تھا جو کراس چیکنگ کے لیے مقرر کیا جاتا تھا۔ ایگزامینر کو ماڈریٹر سے براہِ راست مل کر جوابی پرچوں کو حاصل کرنا پڑتا تھا اور جانچنے کے بعد مل کر ہی واپس لوٹانا ہوتا تھا۔ احمد اقبال کئی دہائیوں تک اُردو زبان کے ماڈریٹر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ایک مرتبہ ایگزامینر کی فہرست میں ایک نیا نام کے سی پاجنگر (2005–1943) شامل تھا۔ نام سے گمان ہو رہا تھا کہ یہ کوئی غیر مسلم مدرس ہیں۔

احمد اقبال بہت پریشان ہو گئے کہ یہ غیر مسلم مدرس اگر متعصب ذہنیت کا حامل رہا تو اردو زبان کے پرچے میں طلبہ کا نتیجہ متاثر ہو سکتا ہے۔ کے سی پاجنگر جب پرچے حاصل کرنے کے لیے ان کے یہاں بیڑ مہاراشٹر سے اورنگ آباد تشریف لائے تو احمد اقبال انھیں بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ انھوں نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ جناب پاجنگر کی تالیفِ قلب کے لیے ان کی خوب خاطر مدارات کریں گے تاکہ ان کا دل نرم پڑ جائے اور طلبہ کا نتیجہ متاثر نہ ہو۔ دوپہر کا وقت تھا اس لیے احمد اقبال نے انھیں ظہرانے کی پیش کش کی جو قبول کر لی گئی۔ احمد اقبال نے پوچھا ''ویسے آپ کیا کھانا پسند کریں گے؟ میرا مطلب ہے ویج یا نان ویج'' پاجنگر صاحب نے جواب دیا ''جو بھی آپ کھلانا چاہیں''۔ احمد اقبال نے مزید وضاحت کے لیے پوچھا ''نان ویج میں کیا؟ میرا مطلب ہے چھوٹا یا بڑا؟ پاجنگر صاحب نے جواب دیا ''بڑا ہو تو زیادہ بہتر رہے گا'' اب احمد اقبال کو یہ گمان ہوا کہ یہ ضرور دلت ہندو ہے۔

خیر احمد اقبال انھیں لے کر شہر کے ایک مشہور ہوٹل پہنچے۔ مختلف ڈشیں آرڈر کیں جو تھوڑی سی دیر میں ٹیبل پر آ گئیں۔ پاجنگر صاحب نے پہلا نوالہ اٹھایا اور کہا۔ ''بسم اللہ'' احمد اقبال چونک پڑے۔ کیا آپ مسلمان ہیں؟ پاجنگر صاحب بھی اس اچانک جملے پر سٹپٹا گئے۔ کہا جی ہاں! مسلمان ہوں الحمدللہ یہ سن کر احمد اقبال ہنسی سے بے قابو ہو گئے۔ بیچارے پاجنگر صاحب کھانا روک کر ان کا منہ تکتے رہے۔ تھوڑی طبیعت سنبھلی تو احمد اقبال نے پوچھا میں آپ کے نام کے سی پاجنگر سے دھوکا کھا گیا۔ مجھے لگا کہ آپ ہندو ہیں۔ محترم آپ کا پورا نام کیا ہے؟ خلیل الدین چھوٹے میاں پاجنگر۔ یہ کہہ کر پاجنگر صاحب نے بھی ہنسنا شروع کر دیا۔ دونوں اصحاب بہت دیر تک ہنستے رہے۔ احمد اقبال کے سر سے جیسے پہاڑ جیسا بوجھ ہی اُتر گیا۔ طلبہ کے مستقبل کے بارے میں ایسی فکر اور سوچ رکھنے والے استاد مشکل سے ملتے ہیں۔

احمد اقبال ایک مثالی معلمِ اردو ہی نہیں تھے بلکہ ایک مکمل تعلیم گاہ تھے۔ تعلیم و تعلم کے حوالے سے ان کا نام و کام دیر تک فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ احمد اقبال کو مشہور فکشن رائٹر نور الحسنین نے نثر نگاری سے خاکہ نویسی کی طرف متوجہ کیا تھا اس کا اعتراف احمد اقبال نے ان الفاظ میں کیا تھا:

> ''میرے دوست نور الحسنین نے مجھے خاکہ نگاری کی طرف متوجہ کیا۔ ان مضامین میں خاکہ نگاری کے لوازمات موجود نہ ہوں تاہم میں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہر شخصیت کو جس نے مجھے کسی نہ کسی حد تک متاثر کیا اپنے جذبات و احساسات کے دائرے میں لا کر اظہارِ خیال کروں۔''

(بہ حوالہ 'میرا شہر میرے لوگ'، احمد اقبال، ص 6)

احمد اقبال اورنگ آباد دکن کے سچے عاشق تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے شہر آرزو کی سماجی، علمی، ادبی اور دینی شخصیات کو اپنے خاکوں کا موضوع بنایا۔ ایک ہی نام سے ان کے خاکوں کے تین مجموعے ''میرا شہر میرے لوگ'' (حصہ اول 1998)، میرا شہر میرے لوگ (حصہ دوم 2004) اور میرا شہر میرے لوگ (حصہ سوم 2022) فنِ خاکہ نگاری کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں۔ احمد اقبال کی قلم فرسائی نے رفتگاں اور قائماں پر یادگار خاکے تحریر و تخلیق کیے تھے۔ انھوں نے مولوی چراغ علی (وفات 1973)، مولوی ولی محمد خان (1971 – 1912)، یعقوب عثمانی (1978 – 1915)، قاضی سلیم (2005 – 1927) عصمت جاوید (2002 – 1922)، جے پی سعید (2009 – 1932) وغیرہم کے سلسلے میں بڑی متانت اور سنجیدگی اختیار کی تھی۔ برادرانِ وطن سردار دلیپ سنگھ (1980 – 1901)، لالہ بندا پرشاد شریواستو خیال (1993 – 1911) اور ڈاکٹر ہیرا لال (1975–1904) کے خاکوں کی ہر سطر سے ان کے ادب و احترام کا اظہار ہوتا ہے۔ اورنگ آباد دکن کی نادر روزگار شخصیت ڈاکٹر الحاج محمد یوسف عثمانی (2014–1936) پر احمد اقبال کا خاکہ قابلِ مطالعہ ہے جس میں ڈاکٹر موصوف کی ذاتِ گرامی قدر کا ذکرِ جمیل کا دائرہ مختلف جہات پر محیط ہے۔ درجِ ذیل اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''ڈاکٹر محمد یوسف عثمانی کسی کی دل شکنی، دل آزاری کبھی نہ کرتے۔ حفظ مراتب کا خیال رکھتے۔ اپنے سے کم عمر اور پڑھے لکھے لوگوں سے بھی ان کے طرزِ گفتگو اور طرزِ عمل میں کبھی کوئی بات ایسی محسوس نہیں کی جاتی جس سے یہ محسوس ہو کہ وہ مخاطب سے کوئی امتیاز برت رہے ہیں۔ مسکراہٹ ہمیشہ ان کے لبوں پر رہتی۔ خندہ پیشانی، خوش دلی گویا ان کی فطرت کا حصہ تھا مہمان نواز بھی تھے اور یہ صفت بھی انہیں ورثہ میں ملی تھی۔''

(خاکہ یوسف عثمانی، 'احمد اقبال'، کتاب 'حدیثِ دل'، مرتب: ڈاکٹر رعنا حیدری، ص 59)

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

اردو دُنیا

ڈگری کالجوں میں اردو زبان کے اساتذہ کی سیٹ مختص کیے جانے کی ضرورت

حاجی پور (9 مئی)۔ بہار حکومت کے 'سات عزائم' (سات نشچے) کے تحت ریاست کے 208 بلاکوں میں نئے ڈگری کالج کھولنے کا فیصلہ کیا گیا ہے، لیکن ان کالجوں میں اردو زبان کے اساتذہ کا عہدہ شامل نہیں کیا گیا ہے جو ریاست کی دوسری سرکاری زبان کے ساتھ ناانصافی ہے۔ ان خیالات کا اظہار آل انڈیا اردو موومنٹ کے قومی صدر ڈاکٹر بسمل عارفی نے شہر کے دھرم پورہ میں منعقد آل انڈیا اردو موومنٹ (ضلع اکائی) کی ایک اہم میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے کہا کہ بہار میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے اس کے باوجود نئی تعلیمی پالیسی اور تقرری میں اردو کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ حکومت فوری طور پر مذکورہ ڈگری کالجوں میں اردو اساتذہ کی نشستیں مختص کرنے کا حکم جاری کرے۔ میٹنگ میں موجود اردو موومنٹ کے نائب صدر مولانا مقیم دانش ندوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو صرف ایک زبان نہیں بلکہ ایک تہذیب ہے اور بہار کی مٹی میں اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ انھوں نے زور دے کر کہا کہ بلاک سطح پر ڈگری کالجوں کے قیام کا مقصد سب کو اعلا تعلیم فراہم کرنا ہے اور اردو آبادی کو اس حق سے محروم رکھنا ریاست کی لسانی پالیسی کے خلاف ہے۔ میٹنگ کے دوران شرکا نے متفقہ طور پر ایک تجویز پاس کی جس میں وزیرِ اعلا سمراٹ چودھری اور وزیرِ تعلیم سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اردو کے اساتذہ کی بحالی کو یقینی بنائیں۔ میٹنگ میں ضلع اکائی کے کئی اہم عہدیداران اور مقامی معززین نے بھی شرکت کی اور اردو تحریک کو مزید فعال بنانے کا عہد کیا۔ اس موقعے پر اردو موومنٹ کے نائب صدر انجینئر اطہر حسین، جنرل سکریٹری سرفراز فاضل پوری، سکریٹری عادل رحمٰن خاں، محمد شفیع الرضا چنو، مولانا شاہد ندوی، ضیاء الرحمٰن ہیرا، نقی سمستی پوری اور ایوب انصاری وغیرہ موجود تھے۔

(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن صوبہ دہلی کی میٹنگ

نئی دہلی (12 مئی)۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن صوبہ دہلی کی ایک میٹنگ اعظمی ہوسٹل، مٹیامحل، جامع مسجد، دہلی میں ڈاکٹر سیّد احمد خاں کے زیرِ نگرانی اور الحاج عرفان احمد اعظمی کی سرپرستی میں منعقد ہوئی جس کی صدارت ڈاکٹر مفتی جاوید انور دہلوی نے کی اور حکیم محمد مرتضٰی دہلوی کی تلاوتِ قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ اس موقعے پر اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن صوبہ دہلی کی کمیٹی میں توسیع کی گئی۔ میٹنگ میں مدعو خصوصی جناب تحسین علی اساروی نے کہا کہ اردو ہماری تہذیب، ثقافت اور بھائی چارے کی زبان ہے، اور اس کے فروغ کے لیے ہم سب کو مل کر کام کرنا چاہیے۔ تحسین علی نے یہ بھی کہا کہ نئی نسل کو اردو زبان سے قریب لانے اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے دہلی و اطراف کے مختلف علاقوں میں اردو بیداری مہم چلائے جانے کی ضرورت ہے۔ میٹنگ میں ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کہا کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں بلکہ یہ تمام تر ہندستانیوں کی زبان ہے۔ اس زبان نے دنیا کو بڑے بڑے شاعر، ادیب اور مفکر دیے ہیں۔ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم اردو کی ترویج و ترقی کے لیے منصوبہ بند تحریک چلائیں۔ ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے مزید کہا کہ اگر ہم اپنے بچوں کو اردو پڑھائیں، خرید کر اردو کتابیں پڑھیں اور اس زبان میں گفتگو کریں تو یقین ہے کہ اردو کا مستقبل روشن ہوگا۔ اس لیے آیئے عہد کریں کہ ہم اردو زبان کے فروغ کے لیے اپنا کردار ضرور ادا کریں گے۔ اس موقعے پر جناب اسرار احمد اُجینی، صحافی وسیم احمد صدیقی اور ڈاکٹر نجم السحر نے بھی خطاب کیا۔

(سیاسی تقدیر۔ دہلی)

سینئر صحافیوں کو اعزاز

دہرہ دون (12 مئی)۔ نارد اجینتی کے موقعے پر (دنیا کے پہلے صحافی کے جشن کے موقعے پر) 'صحافت کا بدلتا ہوا روپ' کے عنوان سے انٹیلیچوئل فاؤنڈیشن (انڈیا) کے زیرِ اہتمام ایک شاندار پروگرام منعقد کیا گیا۔ یہ تقریب دہرادون کے اندر روڈ پر واقع تسمیہ اکیڈمی میں سینئر صحافیوں کے اعزاز میں منعقد کی گئی۔ اس تقریب کا مقصد غیر جانبدارانہ، جرأت مندانہ اور عوامی جذبے والی صحافت کو تسلیم کرنا اور معاشرے میں سینئر صحافیوں کی دیرینہ خدمات کو اجاگر کرنا تھا۔ تقریب کے دوران کئی دہائیوں سے صحافت میں نمایاں خدمات انجام دینے والے سینئر صحافیوں کو 'رشی نارد اجرنلسٹ ایوارڈ 2026' سے نوازا گیا۔ تقریب کا آغاز تنظیم کے بانی آنجہانی شری بھاویہ ندھی شرما کو ان کی انیسویں برسی پر دلی خراجِ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ہوا۔ اس موقعے پر ڈاکٹر مایارام اونیال کی لکھی ہوئی کتاب 'آروماٹک میڈیسنل پلانٹس سے آروما تھراپی' کا اجرا بھی کیا گیا۔ جسٹس (ریٹائرڈ) راجیش ٹنڈن تقریب کے مہمانِ خصوصی تھے۔ ڈاکٹر آشوتوش سیانا، مسٹر سمرجیت سنگھ، بریگیڈیر (ریٹائرڈ) کے. جی. بہل، ڈاکٹر مایارام اونیال اور پروفیسر آئی. پی. سکسینہ بطورِ مہمانِ اعزازی موجود تھے۔ تمام مہمانوں نے اپنے خطابات میں معزز صحافیوں کے کام کی بھرپور تعریف کی۔ انھوں نے کہا کہ صحافت جمہوریت کا ایک مضبوط ستون ہے اور معاشرے کی رہنمائی میں ان کا کردار اہم ہے۔ تنظیم کے قومی صدر ڈاکٹر ایس فاروق نے تمام معزز صحافیوں کو شال اور سرٹیفکٹ پیش کر کے اعزاز سے نوازا۔ انھوں نے کہا کہ حقیقی صحافت حب الوطنی ہے۔ صحافت کے لیے ان کی وقف خدمات کے لیے اعزاز پانے والے سینئر صحافیوں میں شامل ہیں: آنجہانی شری راجندر جوشی، پنڈت شری رامیشور دت شرما، شری نشیتھ جوشی، شری وی. کے. شرما، شری منموہن لکھیرا، شری گردھر شرما، شری سلیم سیفی، شری رمیش دت پالیوال، شری جیت منی پینولی، شری گجیندر سنگھ نیگی، شری جے. عثمانی، مسٹر للت پونیال، مسٹر فہیم تنہا، مسٹر اودھیش نوٹیال، مسٹر شاہ نظر، مسٹر راج پنڈت۔ تقریب کی نظامت تنظیم کے جنرل سکریٹری ہرش ندھی شرما نے کی۔

(سیاسی تقدیر۔ دہلی)

شعبۂ اُردو ستیہ وتی کالج میں بین الکلیاتی ادبی مقابلے کا انعقاد

لکھنؤ (28 اپریل)۔ دہلی یونیورسٹی کے ممتاز ادارے ستیہ وتی کالج کے شعبۂ اردو کی ادبی تنظیم بزمِ ادب کے زیرِ اہتمام ایک پُروقار بین الکلیاتی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس ادبی جشن میں دہلی کے مختلف کالجوں کے طلبہ نے مضمون نگاری اور غزل سرائی کے مقابلوں میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ پروگرام کا آغاز صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر قمر الحسن کے کلیدی خطاب سے ہوا۔ انھوں نے تعلیمی اداروں میں ادبی سرگرمیوں کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ایسے مقابلے طلبہ کی تخلیقی اور فکری صلاحیتوں کو نکھارنے کا بہترین ذریعہ ہیں اور شعبۂ اُردو مستقبل میں بھی اس طرح کی علمی و ادبی نشستیں جاری رکھے گا۔ مضمون نگاری کے لیے قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں مادری زبان کی اہمیت اور معنویت جیسا فکر انگیز عنوان منتخب کیا گیا تھا۔ اس مقابلے میں کل 15 طلبہ نے حصہ لیا جس میں اول ایشا فاطمہ اور نازیہ پروین (ستیہ وتی کالج)، دوم سارا بیگ (دیال سنگھ)، سوم عاصمہ (ذاکر حسین دہلی کالج) اور چہارم علمہ سیفی (ستیہ وتی کالج) نے حاصل کیے۔ اس مقابلے میں جج کے فرائض ڈاکٹر فیاض عالم، ڈاکٹر محمد رکن الدین اور ڈاکٹر بشیر شاہین نے انجام دیے۔ پروگرام کا دوسرا مرحلہ غزل سرائی کا تھا جس میں شرکا کی خوش الحانی نے حاضرین کو مسحور کر دیا۔ غزل سرائی مقابلے میں اول اریبہ خانم (ستیہ وتی کالج)، دوم زیبا (ذاکر حسین دہلی کالج)، سوم ونام (شعبۂ ہندی، ستیہ وتی کالج) اور حوصلہ افزا انعام ثنا (ستیہ وتی کالج) نے حاصل کیے۔ غزل سرائی کے مقابلے میں ڈاکٹر قمر الحسن، ڈاکٹر فخر عالم اور ڈاکٹر افسانہ حیات نے فرائض انجام دیے۔ تقریب میں ذاکر حسین دہلی کالج، دیال سنگھ کالج اور دہلی یونیورسٹی کے دیگر کالجوں کے طلبہ نے شرکت کی۔ نظامت کے فرائض رفیق طلحہ، اریبہ خانم، عنبہ اور علمہ سیفی نے بہ حسن و خوبی انجام دیے۔ آخر میں کامیاب طلبہ میں اسناد اور انعامات تقسیم کیے گئے۔ ڈاکٹر افسانہ حیات نے تمام مہمانوں اور شرکا کا شکریہ ادا کیا، جب کہ بزمِ ادب کے صدر عفان پٹھان، نائب صدر اقرا سیفی، سکریٹری نازیہ پروین، جوائنٹ سکریٹری عالیہ ناز اور خزانچی اقرا رحمان نے اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ (قومی میزان۔ دہلی)

'بے باک ہوں، بے ادب نہیں' کی تقریبِ اجرا

نئی دہلی (3 اپریل)۔ بی جے پی کے سینئر رہنما اور سابق رکن پارلیمنٹ برج بھوشن شرن سنگھ کی بیٹی شالنی سنگھ کی شاعری پر مبنی کتاب 'بے باک ہوں، بے ادب نہیں' کا اجرا دہلی میں اشوکا روڈ پر منعقد ایک تقریب میں عمل میں آیا۔ اس موقعے پر سابق گورنر گلراج مشرا بطورِ مہمانِ خصوصی شریک ہوئے جب کہ ادبی اور سماجی شخصیات کی بھی قابلِ ذکر تعداد موجود تھی۔

اس موقعے پر کلراج مشرا نے شالنی سنگھ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ ان کی شاعری ان کے خیالات اور ان کے ادبی ذوق کی عکاسی کرتی ہے اور یہ کتاب ان کی فکری وابستگی کا اظہار ہے۔ اس موقعے پر برج بھوشن شرن سنگھ نے کہا کہ یہ دن ان کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ادب اور شاعری انسان کی سوچ کو سمت دیتے ہیں اور زندگی کے مختلف مراحل میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ انھوں نے نوجوانوں کو معیاری کتب کے مطالعے اور مثبت صحبت اختیار کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ شالنی سنگھ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اپنے والد کے کردار کو سراہا اور کہا کہ ان کی تربیت اور رہنمائی نے ان کی شخصیت کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے اردو زبان سے اپنی وابستگی کا بھی ذکر کیا، جس کی جھلک ان کی شاعری میں نمایاں ہے۔ شالنی سنگھ پیشے کے اعتبار سے وکیل اور ماہرِ تعلیم ہیں اور سماجی سرگرمیوں میں بھی متحرک رہتی ہیں۔ وہ نوئیڈا اسٹیزنز فورم سے وابستہ ہیں اور اس سے قبل بھی متعدد کتابیں تحریر کر چکی ہیں۔ ان کی نئی کتاب میں جذبات، مشاہدات اور سماجی تجربات کو سادہ اور موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

ضلع اردو زبان سیل کے زیرِ اہتمام مباحثے کا انعقاد

سیوان (29 اپریل)۔ 30 اپریل 2026 کو اردو ڈائرکٹوریٹ محکمۂ کابینہ سکریٹریٹ، پٹنہ کے زیرِ اہتمام اور سیوان ضلع انتظامیہ کے تعاون سے ضلع اردو زبان سیل، سیوان نے اردو بولنے والے طلبہ کے لیے ریاستی اسکیم کے تحت ایک مباحثے کا انعقاد کیا جس کا آغاز ڈاکٹر امبیڈکر بھون، سیوان میں صبح دس بجے سے ہوا۔ عہدیداروں کا سب سے پہلے ضلع اردو زبان سیل کے انچارج آفیسر اوپیندر کمار یادو نے پودا پیش کر کے استقبال کیا۔ تقریب میں سرجیت کمار (ڈسٹرکٹ سٹلمنٹ آفیسر سیوان)، پرمود کمار (اے ڈی ایم سیوان (مکیش کمار (ڈی ڈی سی سیوان)، اشتیاق احمد (اے ڈی ایم ضلع عوامی شکایات کا ازالہ)، محمد سہیل (ڈپٹی الیکشن آفیسر)، راج کمار سنگھ (اسسٹنٹ ڈائرکٹر چائلڈ پروٹیکشن سیل)، جتیندر پرتاپ سنگھ (ڈسٹرکٹ پلاننگ آفیسر) اور سبھاش رام (ضلع شماریات آفیسر، سیوان) موجود تھے۔ پروگرام کا افتتاح شمع روشن کر کے کیا گیا۔ اس موقعے پر اردو زبان سیل کے انچارج اوپیندر کمار یادو نے بتایا کہ بہار حکومت پورے بہار میں مباحثے کے مقابلے منعقد کر کے اور طلبہ کو ترغیبات فراہم کر کے اردو زبان کو مسلسل فروغ دے رہی ہے۔ اردو کے فروغ اور اس زبان کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے ورکشاپ کا انعقاد بھی کیا جا رہا ہے۔ یہ 26-2025 کا آخری مباحثہ مقابلہ تھا۔ مباحثے کا مقابلہ تین کیٹگری میں منعقد کیا گیا: میٹرک، انٹرمیڈیٹ اور گریجویٹ۔ اس کے مطابق طلبہ نے شرکت کی۔ میٹرک کی سطح پر 22، انٹریٹ کی سطح پر 16 اور گریجویٹ سطح پر 11 طلبہ نے حصہ لیا۔ شرکا کی کل تعداد 49 تھی۔ مباحثے کے مقابلے کے نتائج درجِ ذیل ہیں: مقصود عالم دادؤ میموریل اردو گرلس ہائی اسکول کی نازیہ پروین کو میٹرک کی سطح کا انعام دیا گیا۔ موضوع تھا: اردو شعر و ادب: بہار کی شناخت اور ورثہ۔ انٹرمیڈیم سطح کے مباحثے کے مقابلے جیتنے والے اسلامیہ ہائی اسکول کی عظمیٰ اعجاز سعید اور اعجاز احمد تھے۔ شرکا میں ارشد محمود اور معراج انصاری کامیاب رہے۔ (روزنامہ 'پندار'۔ پٹنہ)

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں قومی سمینار بعنوان 'پریم چند کا ادب: نئے تناظر میں' پر سمینار

علی گڑھ (5 مئی)۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے سابق صدر پروفیسر محمد علی جوہر نے قومی سمینار بعنوان 'پریم چند کا ادب: نئے تناظر میں' کے افتتاحی اجلاس کی صدارت کی۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان اور پریم چند آرکائیوز اینڈ لٹریری سنٹر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے اشتراک سے نہرو گیسٹ ہاؤس، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے کمیٹی روم میں یک روزہ قومی سمینار کے افتتاحی اجلاس میں پروفیسر محمد علی جوہر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پریم چند کے ادبی کارناموں کی سیر کرتے ہوئے ہمیں مایوسی کے بجائے حد درجہ خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ 'ہمیں حسن کا معیار بدلنا ہوگا' جیسا پریم چند کا معروف جملہ نہایت گہرا اور معنی خیز ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر محمد علی جوہر نے پریم چند کے نظریۂ ادب کو انسانیت کے لیے لازم قرار دیا۔ پروفیسر محمد علی جوہر نے کہا کہ پریم چند کا ادب انسانی قدروں کا حامل ہے جس میں ہندستانی تہذیب و ثقافت، یہاں کا رہن سہن، رسم و رواج سب کچھ موجود ہے۔ آج ہندستانی معاشرہ تہذیبی سطح پر اپنی جڑوں سے دور جاتا ہوا محسوس ہو رہا ہے، ایسے میں پریم چند کا تخلیق کردہ ادب نئی نسل کو اپنی تہذیب و ثقافت اور جڑوں سے وابستہ رکھنے میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔

سمینار میں تین تکنیکی سیشن تھے جن میں ملک کی اہم جامعات سے مدعو مندوبین نے اپنے مقالے پیش کیے۔ اس سے قبل تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر شہزاد انجم (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے پریم چند سے متعلق پریم چند آرکائیوز اینڈ لٹریری سنٹر کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ پریم چند ہندستانی ادب، تہذیب اور معاشرے کا ایک روشن چہرہ ہیں۔ آج پریم چند کو نئے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ موضوع اور اسلوب کی سطح پر پریم چند کے یہاں حب الوطنی کے جذبات نمایاں ہیں۔ انھوں نے میدانی سطح پر کام کرتے ہوئے مہاتما گاندھی کی تحریک کا بھی ساتھ دیا اور معاشرتی برائیوں کو اجاگر کیا۔ پریم چند کے ادبی متون کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ قومی کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے پریم چند سے متعلق قومی کونسل کے طباعتی کام پر روشنی ڈالی جب کہ پروفیسر انور پاشا نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ سمینار میں مختلف یونیورسٹیوں کے مہمان مقالہ نگاروں کے علاوہ ریسرچ اسکالرز اور طلبہ و طالبات موجود تھے۔ (سیاسی تقدیر۔ دہلی)

'بلیک بورڈ' کے اجرا کے موقعے پر مذاکرہ

نئی دہلی (19 پریل)۔ ڈاکٹر حبیب سیفی کی 27ویں تصنیف 'بلیک بورڈ' کا اجرا و مذاکرے کی تقریب ساؤتھ دہلی کے میونسپل کارپوریشن اسکول حوض رانی 'اردو' گاندھی پارک میں منعقد ہوئی جس کی صدارت شوکت (سابق پرنسپل مذکورہ ایم سی ڈی اسکول) نے کی۔ صدرِ تقریب کا استقبال شاہ پوشی کے ساتھ ادیب و شاعر ہدایت حسین بدایونی نے کیا۔ مہمانِ خصوصی شاہ حسن سیفی، رشین ایجوکیشن ایڈمیشن کونسلر نئی دہلی تھے۔ ادبِ اطفال کے حوالے سے ڈاکٹر حبیب سیفی کی ادبی خدمات و متعلقہ کتاب کے تناظر میں پروفیسر مظہر احمد نے مصنف کو مبارک باد پیش کی۔ ڈاکٹر محمد معین الدین (شعبۂ اردو ذاکر حسین کالج، دہلی) نے کتاب 'بلیک بورڈ' پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ 'بلیک بورڈ' صرف ایک تختہ نہیں، یہ ایک علامت ہے، ایک سوچ ہے، ایک پیغام ہے۔ ڈاکٹر فیضان الحق نے قومی اردو کونسل کی مختلف سرگرمیوں کا ذکر کیا اور ادبِ اطفال سے متعلق ادارے کی کاوشوں پر روشنی ڈالی۔ تقریب کے صدر شوکت نے کہا کہ ادبِ اطفال ہی کسی بھی زبان کے ادب کو زندہ رکھتا ہے اور حبیب سیفی نے اس میدان میں کامیابی کے ساتھ قدم بڑھائے ہیں۔ محمد نظام الدین نے اظہارِ تشکر کیا اور تقریب کی نظامت عرفان راہی نے کی۔ تقریب قومی اردو کونسل برائے فروغِ اردو زبان کے زیرِ اہتمام منعقد کی گئی۔ اہم شرکا میں اسکول کے اساتذہ کے علاوہ ڈاکٹر محمد الیاس سیفی، ہدایت حسین بدایونی، خاور حسن، طارق حبیب، محمد احسن سیفی، مولانا شاکر، انجینئر عارف حسین، نزاکت امروہوی، ڈاکٹر اطہر الٰہی خاں، سہیل عباس، نادرہ میڈیم، ثمینہ میڈیم، عابدہ خانم، محمد اسلم، بی این دوبے کے علاوہ تیسری چوتھی اور پانچویں کلاس کے بچوں نے شرکت کی۔ (انقلاب۔ دہلی)

سہ ماہی 'عکسِ ادب' کے تحقیق پر مبنی دو شماروں کا اجرا

اورنگ آباد (5 اپریل)۔ 4 اپریل کو بعد نمازِ مغرب احسن صدیقی کے دولت کدے پر اورنگ آباد دکن سے شائع ہونے والے سہ ماہی رسالہ 'عکسِ ادب' کے مستند منتخب محققین کے دو خصوصی گوشوں کا پُروقار انداز میں اجرا عمل میں آیا۔ تقریب کا آغاز ڈاکٹر رفیع الدین ناصر کی تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوا۔ اس کے بعد گلاب کے پھولوں سے تمام شرکا کا استقبال کیا گیا۔ پروگرام کی صدارت پروفیسر مسرت فردوس نے کی، اپنے صدارتی خطاب میں ڈاکٹر مسرت فردوس نے کہا کہ تحقیق اصل میں دلچسپی اور محنت کا کام ہے، جو ایمانداری سے تحقیق کرتا ہے اُس کا نام ایک عرصے تک لیا جاتا ہے۔ ان شماروں کا اجرا مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کے چیئرمین جناب حسین اختر اور ڈاکٹر عظیم راہی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اپنے خطاب میں

رفتید ولے نہ از دلِ ما

پروفیسر سیّد شاہ حسین نہری

اورنگ آباد۔ اردو زبان و ادب کے استاد شاعر، ادیب اور مولف پروفیسر سیّد شاہ حسین نہری کا 23 اپریل 2026 کو 85 برس کی عمر میں اورنگ آباد میں انتقال ہوگیا۔ نمازِ جنازہ بعد نمازِ ظہر دو بجے بمقام جامع مسجد بڑی لین میں ادا کی گئی۔ تدفین بمقام نورانی مسجد سے متصل بھڑکل گیٹ کے قریب قبرستان میں عمل میں آئی۔ مرحوم شاہ حسین نہری 12 فروری 1941 کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے معین العلوم ہائی اسکول اورنگ آباد میں مدرس کے طور پر خدمات انجام دینے کے ساتھ سائنس اور کامرس کالج بیڑ میں اردو لکچرر کے عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ انھوں نے اردو زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے لیے متعدد ادبی تنظیمیں قائم کی تھیں۔ مرحوم کے پس ماندگان میں بیوہ، ایک بیٹا، پانچ بیٹیاں اور نواسے نواسیاں ہیں۔ انھوں نے علم و ادب کے ذخیرے میں تقریباً پندرہ کتابوں کا بیش بہا اضافہ کیا ہے جن میں 'سامانِ تسکین' (حمد و مناجات، نعت و منقبت)، 'گلبدن کی یادمیں' (مجموعۂ رباعیات)، 'شاہ بانی' (دیوانِ رباعیات)، 'شب تاب'، 'شب آفتاب'، 'شب آہنگ' وغیرہ اردو ادبی دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

محمد شعبان

سدھارتھ نگر۔ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' اُردو سے صحافتی سفر شروع کرنے والے موجودہ دینک پراتہ کال ایکسپریس' کے نمائندہ، چالیس سالہ نوجوان صحافی محمد شعبان 4 مئی 2026 پیر کی شام کو دل کا دورہ پڑنے سے لکھنؤ بغرضِ علاج لے جاتے وقت راستے میں داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ موصوف کی نمازِ جنازہ 5 مئی کو بعد نمازِ عصر ان کے آبائی موضوع پریلا، اٹوا میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں مولانا فخر الدین ریاضی کی امامت میں ادا کی گئی۔ بعدہٗ نمناک آنکھوں سے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔ موصوف بہت ہی بے باک صحافی تھے۔ انھوں نے اپنی دس سالہ صحافتی زندگی میں بدعنوانی کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ وہ غریبوں کے حامی تھے اور مظلوموں کے حق کی آواز اٹھانے میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ علاقے میں ان کی مقبولیت اتنی زبردست تھی کہ ان کے انتقال کی خبر سنتے ہی پوری رات لوگوں کا ہجوم نظر آیا۔ لوگوں کی آنکھیں اشکبار اور اپنے ایک بے باک صحافی کا ساتھ چھوڑ دینے کا ملال ان کی آنکھوں سے جھلکتا رہا اور وہ زبان سے آہ و بکا کرتے ہوئے نظر آئے۔ جنازے میں کانگریس پارٹی کے ریاستی سکریٹری ڈاکٹر نادر سلام، اپوزیشن لیڈر ماتا پرساد پانڈے، ایم آئی ایم کے اٹوا حلقے کے صدر ہدایت خاں شمسی، کلیہ عائشہ صدیقہ کے ناظم مولانا عبدالوہاب محمدی، دارالتوحید جونیر ہائی اسکول مینا عیدگاہ کے منیجر انیق احمد خاں، جامعہ اتحادِ ملت اٹوا بازار کے پرنسپل مولانا محمد نعیم ارشد القاسمی، جمعیت اہلِ حدیث اٹوا حلقے کے ناظم مولانا فخر الدین ریاضی، مولانا برکت علی سراجی، ضلع پنچایت وارڈ نمبر 12 کے اظہار احمد، صحافی عبدالقدوس، عزیز خاں، اعجاز صدیقی، نہال چودھری، ابرار علی، محمد مہدی رضوی، آلوک تیواری، بلرام ترپاٹھی اور مولانا محمد شاہد وغیرہ نے اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے مغفرت کی دعائیں کیں۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : حرفوں کا جادو (رشید حسن خاں)
مرتب : ڈاکٹر ابراہیم افسر
اشاعت : مارچ 2026
ضخامت : 182 صفحات
قیمت : 320 روپے
ملنے کا پتا : علم وادب فاؤنڈیشن، سوال خاص، میرٹھ-250501
تبصرہ نگار : عرفان جعفر (لاہور، پاکستان)
E-mail: irfanjaffar@gmail.com

'حرفوں کا جادو' اردو زبان وادب کے مایہ ناز محقق، مدوّن اور ماہرِ لسانیات رشید حسن خان کی تحریروں کا ایک اہم مجموعہ ہے۔ اس کتاب کو اُردو کے ممتاز عالم و نوجوان اسکالر ابراہیم افسر نے بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ رشید حسن خان اپنی پوری زندگی اردو زبان کی صحت، املا کی درستی اور تحقیق کے معیار کو بلند کرنے میں مصروف رہے۔ 'حرفوں کا جادو' دراصل خاں صاحب کے ان بکھرے ہوئے آٹھ املائی مضامین کا مجموعہ ہے جو رسالہ 'پیامِ تعلیم' (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی) میں 1972-73 کو شائع ہوئے تھے لیکن ایک جگہ دستیاب نہ تھے۔ حالاں کہ رشید صاحب نے ان مضامین کو اپنی کتاب 'اُردو کیسے لکھیں' میں ترمیم و اضافے کے ساتھ شامل کیا، لیکن زیرِ نظر کتاب میں رشید صاحب کے وہ اولین مضامین شامل ہیں جو انھوں نے خالصتاً بچوں کے لیے لکھے تھے۔ ڈاکٹر ابراہیم افسر، جو رشید صاحب کے کام کے بہترین شارح مانے جاتے ہیں، نے ان تحریروں کو یکجا اور رشید صاحب کے صد سالہ یومِ پیدائش کے موقعے پر شائع کرکے ایک دستاویزی شکل عطا کی ہے۔

زیرِ نظر کتاب کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو رشید حسن خاں کے علمی تنوع کو ظاہر کرتے ہیں۔ کتاب کا بڑا حصہ اُردو املا کے مسائل، لفظوں کی ساخت اور ان کے درست استعمال پر مبنی ہے۔ رشید حسن خان کا موقف رہا ہے کہ زبان کی بنیاد اس کے حروف اور املا کی صحت پر ہوتی ہے۔ اس کتاب میں بچوں کی نفسیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے رشید صاحب کے لکھے گئے بصیرت افروز مقالات ہم سب کے لیے قابلِ تقلید ہیں۔ اس موقعے پر 'حرفوں کا جادو' کتاب میں شامل رشید صاحب کی علمی و ادبی جہات کو سمجھنے کے لیے رسالہ 'پیامِ تعلیم' کے مدیر محمد حسین حسان ندوی کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''آیئے آج آپ کو ایک نئے بزرگ سے ملائیں۔ جناب رشید حسن خاں صاحب سے۔ بڑوں کی دنیا میں تو بہت دنوں سے مشہور ہیں۔ اُردو کے بہت بڑے عالم ہیں۔ یوں کہیے کہ بہت بڑے ریسرچ اسکالر ہیں۔ ریسرچ اسکالر وہ لوگ کہلاتے ہیں جو علمی مسئلوں کی تحقیق اور چھان بین میں لگے رہتے ہیں۔ رشید حسن خاں صاحب نے بھی ایک مدّت سے اُردو زبان کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ رات دن اسی میں لگے رہتے ہیں۔ مکتبہ جامعہ کی خاص طور پر سرپرستی فرماتے ہیں۔ مکتبہ ایک عرصہ سے معیاری کتابیں یا کلاسکس شائع کر رہا ہے۔ رشید حسن خاں صاحب نے اس کام میں مکتبے کی خاص طور پر مدد کی ہے۔ ہماری بہت دنوں سے خواہش تھی کہ خاں صاحب سے آپ کے پیامِ تعلیم کے لیے بھی کچھ لکھوائیں۔ مگر کچھ تو وہ تحقیق کے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ کچھ یہ خیال تھا کہ بچوں کے لیے بچوں کی زبان میں لکھنا ان کے لیے مشکل تھا پر اپنے ادارے کا خیال بھی تھا۔ آخر ایک دن ہمت کرکے ہی ڈالی اور ایسی چیز لکھ دی کہ بس پڑھ کے دیکھیے۔ خاں صاحب نے سچ مچ جادو جگایا ہے۔ ایسی پیاری نکھری ستھری ایسی صاف اور سادہ زبان لکھی ہے کہ مضمون پڑھ کر مزہ آ جائے گا۔''

رشید حسن خان اپنی بے باک تنقید کے لیے مشہور تھے۔ اپنے مضامین میں انھوں نے معاصر املا شناسوں کے کام کا علمی محاسبہ کیا ہے اور درسی کتابوں میں برتی جانے والی املائی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ کتاب میں بعض ایسی تحریریں بھی ہیں جن میں ادبی شخصیات اور علمی معرکوں کا ذکر ملتا ہے، جو قاری کو اس دور کے علمی ماحول سے روشناس کراتی ہیں۔ ڈاکٹر ابراہیم افسر نے صرف مضامین کو جمع نہیں کیا، بلکہ ہر تحریر کے حواشی اور حوالے درج کیے ہیں۔

کتاب کے شروع میں ابراہیم افسر نے ایک مفصل مقدمہ لکھا ہے جو رشید حسن خاں کے اسلوب اور ان کی علمی خدمات کا احاطہ کرتا ہے۔ انھوں نے تحریروں کی تاریخی ترتیب کا خیال رکھا ہے تاکہ رشید صاحب کے فکری ارتقا کو سمجھا جا سکے۔ رشید حسن خاں کی تحریریں جذباتیت سے پاک اور خالص علمی و سائنسی بنیادوں پر استوار ہیں۔ وہ کسی بھی لفظ یا قاعدے کو بغیر ٹھوس لسانی دلیل کے قبول نہیں کرتے، یہی 'حرفوں کا جادو' کا جوہر ہے۔ ڈاکٹر ابراہیم افسر اپنے دیباچے میں املا کی جانب رشید حسن خاں کی توجہ مبذول کرنے کے قصے کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''رشید حسن خاں نے صحتِ املا کی جانب اپنی توجہ مبذول کرنے کا ایک دل چسپ واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایک طالبِ علم نے لفظ 'بھروسا' کو 'بھروسہ' اور 'گزرنا' کو 'گذرنا' لکھا تو میں نے اسے غلط قرار دیتے ہوئے نمبر کاٹ لیے، لیکن طالبِ علم نے نصاب کی کتاب میں 'بھروسہ' اور 'گذرنا' لکھا دکھایا تو مجھے شرمندگی کا احساس ہوا۔ اس بات کا نقش رشید حسن خاں کے دل پر ہمیشہ رہا۔ اس کے بعد انھیں احساس ہوا کہ اُردو املا کی معیار بندی اور اصلاح کا کام سائنٹفک انداز میں ہونا چاہیے۔''

طلبہ اور محققین کے لیے رہنما یہ کتاب اردو تحقیق کے طالبِ علموں کے لیے ایک 'مینول' کی حیثیت رکھتی ہے کہ تحقیق کیسے کی جائے اور زبان کے ساتھ برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ 'حرفوں کا جادو' محض ایک کتاب نہیں بلکہ اردو زبان کی تہذیب اور اس کے لفظی ڈھانچے کو سمجھنے کی ایک کلید ہے۔ اگر آپ اردو املا، تدوین اور تحقیق کے باریک نکات سے واقف ہونا چاہتے ہیں تو یہ مجموعہ آپ کے مطالعے کا لازمی حصہ بنے گا۔

زیرِ نظر کتاب پر ڈاکٹر ظفر کمالی اور حافظ صفوان محمد نے اپنی متوازن و اعتدالی رائے کا اظہار کیا ہے۔ کتاب میں شامل دخترانِ نیّر مسعود صائمہ وثمرہ کے لیے لکھے گئے خطوط نے اس کتاب کی حیثیت کو دو چند کر دیا ہے۔ ضمیمہ جات میں پیامِ تعلیم کے مدیر کے اداریے کو شامل کر کے 'حرفوں کا جادو' کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔ خود ڈاکٹر ابراہیم افسر نے رسالہ پیامِ تعلیم کی ایک گمشدہ فائل کا ذکر ضمیمے میں کیا ہے۔ اس گمشدہ فائل کی تلاش و تحقیق کا بیانیہ بہت ہی دل چسپ ہے۔ کتاب کا سرورق بہت ہی دل کش و سحر انگیز ہے۔ جادو کے پٹارے سے نکلنے والے حروفِ صحیح معنی میں قارئین کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہ کتاب ڈاکٹر شاہ نواز فیاض، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اور ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری، نئی دہلی کو معنون ہے۔ اس انتساب کی ایک خاص وجہ یہ بھی رہی کہ رسالہ پیامِ تعلیم کی تمام فائلیں جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کی لائبریری و مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی کے دفتر میں محفوظ ہیں۔ ان فائلوں تک ڈاکٹر ابراہیم افسر کی رسائی ڈاکٹر شاہ نواز فیاض کے توسط سے ہوئی۔ امید کی جاتی ہے کہ ڈاکٹر ابراہیم افسر، رشید حسن خاں کی دیگر بکھری ہوئی تحریروں کو بھی یکجا کرکے آئندہ کتابی صورت میں قارئین و ناقدین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اس اہم کتاب کو منظرِ عام پر لانے کے لیے راقم انھیں دلی مبارک باد پیش کرتا ہے۔

•••

انجمن ترقی اردو (ہند) کی نئی کتاب

نگارشاتِ سحر

مضامینِ پروفیسر سحر انصاری

تدوین وحواشی: محمد صابر

- پروفیسر سحر انصاری برِصغیرِ ہندوپاک کی ان نابغۂ روزگار شخصیتوں میں سے ہیں جن کے علم کی روشنی نے تقریباً نصف صدی کے عہد کو روشن و منور رکھا ہے اور ان کے علم و فن کا نہ صرف ایک زمانہ معترف ہے بلکہ اس سے فیضیاب ہونے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے، لیکن ابھی بھی علم و فن کے متوالوں کا ایک حلقہ ایسا ہے جہاں اس مینارۂ ادب کی روشنی ابھی تک نہیں پہنچ سکی ہے۔
- انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی ایسی ہی شخصیتوں کی نادر تحریروں کو اردو ادب کے عام قاری تک اپنے نفیس اور پُرکشش انداز میں پہنچانے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہی ہے۔ اس سلسلے کو نہایت منظم انداز میں آگے بڑھاتے ہوئے پروفیسر سحر انصاری کی نادرِ روزگار ادبی نگارشات کو شائع کرنے کی جانب عملی قدم اٹھایا گیا ہے۔ اس کتاب کو محمد صابر نے تدوین وحواشی کے ساتھ مرتب کر کے قارئین کرام کے لیے مزید جامع اور کارآمد بنا دیا ہے۔
- بلاشبہ یہ کتاب پروفیسر سحر انصاری کی نادر، بیش بہا اور انتہائی عالمانہ تحریروں کا ایسا مجموعہ ہے جو شائقینِ ادب کے لیے ایک گراں مایہ تحفہ ثابت ہوگی۔

ضخامت: 208 صفحات —— قیمت: 250 روپے

احمد اقبال: تعلیم اور ادب کے مردِ درویش

(بقیہ صفحہ 3 سے آگے)

احمد اقبال کی تصنیف ’ گاہے گاہے باز خواں‘ (2022) میں اُردو قاری انشائیوں، مضامین، فیچرز اور بچوں کی کہانیوں سے متعارف ہوتا ہے۔ مذکورہ تحریروں میں مصنفِ کتاب کا اسلوب نہایت سادہ اخلاقی اور عملی ہے۔

احمد اقبال کا شمار ممتاز ہمہ دان قلم کار ڈاکٹر عصمت جاوید (1922 تا 2002) کے فاضل ارشد تلامذہ میں ہوتا تھا۔ ان کی 1967 سے عصمت جاوید سے شناسائی رہی۔ استادی شاگردی کے اٹوٹ رشتے کو احمد اقبال نے زندگی بھر حرزِ جاں بنائے رکھا۔ عصمت جاوید کی یادیں خوشبو کی طرح تا حیات ان کے ساتھ رہیں۔ خلوص اور دردمندی کے ساتھ احمد اقبال نے عصمت جاوید کے سانحہ انتقال کے بعد اُن کی ادب شناس اور ذمہ دار شریکِ زندگی محترمہ منور جہاں (وفات: 2013) کی شراکت میں منتخباتِ عصمت جاوید (2003) زبانِ اورنگ آبادی (2006) مقالاتِ عصمت جاوید (2006) تمہید مطالعہ ادب (2010) اور باقیاتِ عصمت جاوید (2013) مرتب کیں تھیں۔

شاعرِ دکن قمر اقبال (1947–1988) کی کلیات قمر اقبال (2010) کی ترتیب تحقیق اور اشاعت میں احمد اقبال نے کلیدی کردار نبھایا تھا۔ شاعرِ مشرق اقبال لاہوری (1877–1938) کی یاد میں حضرت اختر الزماں ناصر علیہ الرحمہ (1919–2000) نے 1977 میں اقبال اکادمی اورنگ آباد کی بنیاد رکھی تھی۔ احمد اقبال کی اقبال اکادمی سے دیرینہ وابستگی تھی۔ اکادمی کی سرگرمیوں کے دائرہ کو احمد اقبال نے وسیع تر کر دیا تھا۔

بہر صورت احمد اقبال کی تدریسی، علمی اور ادبی کارگزاریاں گراں قدر وسیلے کا درجہ رکھتی ہیں۔ وہ 26 فروری 2026 کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے، لیکن احمد اقبال اہلِ اورنگ آباد دکن کے قلوب میں برسوں زندہ رہیں گے۔ بہ قول سراج اورنگ آبادی (1712–1764):

اُس پھول سے چہرے کوں جو کوئی یاد کرے گا
ہر آن میں سو سو چمن ایجاد کرے گا

'Saiban' Zubair Colony, Hagarga Cross
Ring Road, Gulbarga-585104(K.S)
Mob Phone: 9945015964
E-mail :ghazanfaronnet@gmail.com

پروفیسر احمد سجاد: ایک روشن چراغ تھا، نہ رہا

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

کی پہچان، فیض کی تحریکی شاعری، جمیل مظہری کی شاعری کا تخلیقی مزاج، حفیظ میرٹھی کی شاعری کا تحریکی مزاج“ وغیرہ۔ یہاں ہر ایک پر تفصیل کی گنجائش نہیں لیکن مشت نمونہ از خروارے کے طور پر چند اقتباسات پیش ہیں:

”جدید افسانہ نگاری میں توازن واعتدال کی کمی کی دوسری بڑی وجہ قاری کو نظر انداز کر کے محض نقادوں کے لیے افسانے لکھنے کی وبا بھی ہے۔ ناقدوں کو خوش کرنے والے اور مروجہ فیشن کا لحاظ رکھنے والے فنکار ممکن ہے بعض رسالوں میں کثرت سے چھپتے ہوں مگر یہ چند روزہ بہار دیرپا نہیں ہوسکتی“۔ (جدید اردو افسانہ۔ص 147)

”چوں کہ جدید ذہن تمام قدروں سے مشکوک اور متنفر ہوگیا ہے۔ اس لیے شائستگی اور جمالیاتی تسکین کے فقدان کی وجہ سے تنہائی اور عدم تحفظ کا جذبہ روز افزوں ہے۔ اس کھردرے پن نے بہتوں کو ”نثری شاعری تک کے فریب میں مبتلا کر دیا ہے“۔ (جدید شاعری۔ص 165)

”جمیل مظہری کے شعری مزاج کا المیہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی ریزہ خیالی کے سبب حقائق حیات کو ڈوب کے نہیں دیکھا بلکہ چلتے ہوئے رومانی و عقلی نعروں میں بہہ کر جزوی اخلاقیات یا انسانیت دوستی کے سطحی نغموں میں گم ہوگئے“۔ (جمیل مظہری کی شاعری کا تخلیقی مزاج۔ص 196)

پروفیسر احمد سجاد کے مذکورہ خیالات سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً موصوف نے نثری شاعری کے سلسلے میں جو استہزائیہ انداز اپنایا ہے اور اس کے وجود کے جو اسباب بتائے ہیں ان سے کلی اتفاق ممکن نہیں۔ اسی طرح فیض کی ترقی پسندی کے متعلق یہ خیال کہ نصب العینی شعور نہ بن سکی حلق سے نیچے نہیں اترتا، اس لیے کہ کسی بھی تحریک کا اپنا ایک نصب العین ہوتا ہے۔ اس میں انفرادی یا جبلی شعور کو دخل نہیں بلکہ تحریک کے منشور کو ذہن میں رکھ کر فعالیت کا ثبوت دینا ہوتا ہے۔ لہذا فیض پر ڈاکٹر احمد سجاد کی تنقید صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

پروفیسر احمد سجاد نے کتاب کے دوسرے حصے میں جن موضوعات کو جگہ دی ہے وہ خصوصی مطالعہ اور تبصروں پر مبنی ہیں۔ موصوف کا تعلق صحافت سے بھی رہا ہے۔ تقریباً چھے سال تک حیدرآباد سے شائع ہونے والے ’فنکار‘ کی ادارت کرتے رہے اس کے علاوہ انھوں نے خود رانچی سے ایک معیاری رسالہ ’ابلاغ‘ کے عنوان سے جاری کیا تھا۔ ’فنکار‘ اور ’ابلاغ‘ میں جن کتابوں پر تبصرہ کیے گئے ان کو بھی اس حصے میں شامل کرلیا گیا ہے۔ تبصرے کا فن کافی جوکھم کا ہوتا ہے۔ نہ تو اس میں تنقید کی طرح وسعت ہوتی ہے اور نہ تقریظ کی طرح اپنائیت۔ اس میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھانا ہوتا ہے۔ جانبداری اور تعصب دونوں رویوں سے بچ کر نکلنا ہوتا ہے۔ تبصرہ نگار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کتاب یا مضمون کی اہمیت وافادیت اجاگر ہوسکے۔ پروفیسر احمد سجاد اس میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ ابن فرید کی کتاب ’چہرہ پس چہرہ‘، ظفر حبیب کے افسانوی مجموعہ ’جنگل کا سفر‘، وزیر آغا کی نظم ’آدھی صدی کے بعد‘، اعجاز رحمانی کا شعری مجموعہ ’غبارِ انا‘، مشفق خواجہ کی شعری تصنیف ’ابیات‘، علیم مسرور کا ناول ’بہت دیر کردی‘ وغیرہ پر ان کے تبصرے تنقیدی ژرف نگاہی کی عمدہ مثال ہیں۔ جہاں خوبیاں دیکھیں اجاگر کر دیتے، خامیاں نظر آتیں نہایت دیانتداری اور بیبا کی سے ان کی نشان دہی کر دیتے تھے۔ مثلاً ناول ’بہت دیر کردی‘ کے سلسلے میں موصوف کی رائے ملاحظہ ہو:

”ان تمام خوبیوں کے باوجود ’بہت دیر کردی‘ فکری تصادم اور ذہنی کشمکش کو تو بڑی خوبی سے جمالیاتی انداز میں پیش کر دیتا ہے مگر حیات وکائنات کے بارے میں بصیرت کے احتساب اور فکر و عرفاں کو نیا موڑ دینے کا مصنف کا دعویٰ صحیح ثابت نہ ہوسکا“۔ (ص: ۲۵۸)

تعمیری ادبی تحریک کا آخری حصہ احمد سجاد کے چند اداریوں پر مشتمل ہے جو موصوف نے ’فنکار‘ حیدرآباد کی ادارت کے موقعے پر تحریر کیے تھے۔ ان اداریوں میں بھی احمد سجاد کا ادب کے تئیں نظریات وافکار کا اندازہ ہوتا ہے۔

چوں کہ وہ تعمیری ادب کے مبلغ اور علمبردار رہے لہٰذا وہ ادب میں حسن خیر اور صداقت کی شمولیت کو لازمی عنصر قرار دیتے تھے۔ اسی طرح دانشوروں کے ذہنی وفکری عمل کے ساتھ فنکاروں کے جذباتی و جمالیاتی عمل کے امتزاج کو بھی ضروری سمجھتے تھے اور ادب میں کمٹمنٹ کو معجزۂ فن کی نمود کی شرط مانتے تھے۔ کتاب کے آخر میں تعمیری ادب کی تخلیق وتصنیف کے سلسلے میں منشور اور رہنما اصول پیش کیے گئے ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو ہر تخلیق کار ادب کے وسیلے سے ایک صحت مند معاشرہ، تعمیر پسند ذہن اور صالح افراد پر مشتمل ایک بڑی جماعت تشکیل دے سکتا ہے۔

پروفیسر احمد سجاد لائق ستائش اور قابلِ احترام تھے اور رہیں گے اس لیے کہ وہ ادب کے توسط سے صالح اور توانا افکار ونظریات کے مبلغ تھے۔ ان کی تمام تحریریں سنجیدہ غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ ان کے انتقال سے اردو ادب میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے اُس کا پُر ہونا ایک مشکل امر ہے۔

سابق ڈین فیکلٹی آف ہیومنٹیز وصدر شعبۂ اردو، رانچی یونیورسٹی، رانچی
موبائل: 8210470292

سہ ماہی ’عکسِ ادب‘ کے تحقیق پر مبنی دو شماروں کا اجرا

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

حسین اختر نے کہا کہ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی اردو کے قلم کاروں سے ہمیشہ تعاون کرتی آئی ہے، مختلف اسکیموں کے تحت وہ اردو کی خدمت کر رہی ہے اور یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا۔ انھوں نے اس موقعے پر سرزمینِ اورنگ آباد کی اردو خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ریسرچ اسکالرز کی ہمت افزائی کی۔ اس موقعے پر ’عکسِ ادب‘ کے مدیر اعلا ڈاکٹر یوسف صابر نے کہا کہ ’عکسِ ادب‘ خصوصی طور پر دکن کے ادیبوں اور محققین کی خدمات اجاگر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، جس کے تحت وہ اپنے خیالات کو پیش کر سکتے ہیں۔ یہ رسالہ چوں کہ دنیا بھر میں پڑھا جاتا ہے اس لیے دکن میں جو بھی اردو ادب میں تحقیق، تنقید اور تخلیق ہوتی ہے اس رسالے کے توسط سے دنیا بھر میں پہنچتی ہے۔

اس موقعے پر ڈاکٹر غزالہ پروین نے کہا کہ تحقیق ادب کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہے، جدید ٹیکنالوجی کا صحیح استعمال کرتے ہوئے پوری توجہ اور انہماک سے تحقیق کرنی چاہیے۔ اس تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم نواز نے اپنے تجربات بیان کیے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر سلیم محی الدین، سابق پرنسپل ڈاکٹر اختر، ڈاکٹر ابرار انصاری، ڈاکٹر عبدالوہاب، پروفیسر دوست محمد خاں، ڈاکٹر عظیم راہی اور خان مقیم خان نے تحقیق کی موجودہ صورتِ حال پر روشنی ڈالی۔ اس پُر وقار تقریب میں مہاراشٹر ساہتیہ اردو کادمی (ممبئی) کے چیئرمین حسین اختر، معروف طنز ومزاح نگار معز ہاشمی اور ہفت روزہ ’اذان‘ سے وابستہ قاضی غوث مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے موجود تھے۔ اس جلسے میں انجینئر احسن صدیقی، ڈاکٹر تہمینہ اور ریسرچ اسکالر عبدالرحیم کھاٹک کے علاوہ متعدد منتخب نقاد و مستند محققین موجود تھے۔ تقریب کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر رفیع الدین ناصر نے بہ حسن وخوبی انجام دیے۔

(سیاسی تقدیر۔ دہلی)

اردو ہندی ڈکشنری

انجمن ترقی اردو (ہند)

قیمت: 300 روپے

پروفیسر احمد سجاد

ایک روشن چراغ تھا، نہ رہا

پروفیسر منظر حسین

26 اپریل 2026 (اتوار) کی شب 11 بجے پروفیسر احمد سجاد (سابق ڈین فیکلٹی آف ہیومنیٹیز و سابق صدر شعبۂ اردو رانچی یونیورسٹی) نے داعیِ اجل کو لبیک کہہ دیا ہے۔ احمد سجاد اردو ادب کی ان شخصیتوں میں ہیں جنھوں نے اپنی تحقیقی اور تنقیدی صلاحیتوں کے باوصف اردو ادب کو مالا مال کیا ہے۔ ان کی موت کسی ایک شخص کی موت نہیں بلکہ ایک پورے عہد کا خاتمہ ہے۔ وہ جھارکھنڈ میں اردو تہذیب کے آخری ستون اور بلاشبہ ایک 'لیجینڈ' تھے۔ وہ نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، عقابی آنکھیں، شاداب ہونٹ اور خوبصورت سفید داڑھی والا معتبر وجود اب نہیں رہا۔ ان کا اندازِ تکلم نہایت نرم اور دل پذیر تھا اور ان کے عزم و حوصلے کی شان یہ تھی کہ ان کے ہر عمل پر یہ شعر صادق آتا تھا:

ہر چند کوہ سے بھی گراں تر ہے بارِ عشق
ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ تنہا اٹھائیے

پروفیسر احمد سجاد اپنی ذات میں محض ایک شخصیت نہیں بلکہ پوری ایک تحریک تھے۔ نصف صدی سے زائد عرصے تک انہوں نے جھارکھنڈ میں گیسوئے اردو کی شانہ آرائی کی۔ وہ ایک ایسے باعمل انسان تھے جن کے کردار کی تشکیل میں مذہبی تعلیم، اسلامی زندگی اور مشرقی معاشرے کا گہرا ہاتھ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ایک بلند پایہ فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ نیک طینت، صاف ذہن اور سادگی و خلوص کا سرچشمہ تھے۔ تفہیمِ اصولِ دین اور احکامِ الٰہی کی تلقین ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ ان کے لیے اقبال کا یہ شعر بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے ؎

آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

پروفیسر صاحب کی عبقری شخصیت ایک ایسے منارۂ نور کی مانند تھی جس کی عالمانہ آگہی اور مجاہدانہ سعی و عمل نے قوم و ملت کو اعتبار بخشا۔ ان کی شخصیت تہہ دار بھی تھی اور طرح دار بھی۔ ان کا ذہن فعال، حافظہ مستحضر اور مشاہدہ نہایت عمیق تھا۔ رواداری، سیر چشمی اور تواضع و مروت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ وہ جہاں اپنے بزرگوں کے عزیز تھے وہیں اپنے طلبہ میں بھی ہردلعزیز رہے۔ ان کے لہجے میں بلا کا زور تھا اور ان کے لطیف طنز کی ہلکی پھلکی سطح کے نیچے جذبات و مفاہیم کا ایک دریا موجزن رہتا تھا۔ راقم الحروف کا تعلق ان سے چار دہائیوں پر محیط رہا ہے۔ انھوں نے ہمیں ہمیشہ شفقت کی نظر سے دیکھا اور مسلسل علمی و ادبی سرپرستی فرمائی۔ ان کے انتقال سے جو دلی قلق اور محرومی کا احساس پیدا ہو رہا ہے اس کی کسک عرصہ دراز تک باقی رہے گی۔

پروفیسر احمد سجاد 12 اکتوبر 1939 کو بمقام بہار شریف (نالندہ) پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اعلا تعلیم کے لیے پٹنہ چلے آئے۔ ایم، اے (اردو) اور ایم، اے (فارسی) کا امتحان پاس کرنے کے بعد دبستان رام پور کا ایک اہم فنکار 'میر غلام علی عشرت بریلوی' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ساتھ ہی آئندہ روہیل کھنڈ کی ادبی خدمات پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک رہنما نقش پیش کر دیا جس کی خوبیوں اور تحقیقی استناد و فنی نکات کو امتیاز علی خاں عرشی جیسے معتبر محقق اور خواجہ احمد فاروقی جیسے نامور نقاد نے بھی سراہا ہے۔ پروفیسر احمد سجاد تعلیم سے فراغت کے بعد کئی برسوں تک سمستی پور کالج میں اردو کے لکچرار رہے۔ رزاق ازل نے ان کی قسمت کے دانوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوٹا ناگپور کی پہاڑیوں پر بکھیر دیا تھا، لہٰذا انھیں چننے کے لیے ان کی تقرری رانچی کالج میں ہوئی۔ وہاں سے پوسٹ گریجویٹ شعبہ میں آئے اور کئی سال تک صدر شعبہ اردو اور ڈین فیکلٹی آف ہومنیٹز کے پروقار منصب پر فائز رہ کر ۱۹۹۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ موصوف ایک باعمل انسان تھے اور انھیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کی ایک دھن رہتی تھی۔ مشغول و مصروف رہنا ان کی عادت تھی۔ پروفیسر احمد سجاد کی اخلاقی بلندی ان کے ادبی، علمی اور تعمیری کارناموں سے ہم رکاب نظر آتی ہے۔ مرکز ادب و سائنس رانچی جیسا ادارہ قائم کر کے موصوف نے صوبۂ جھارکھنڈ میں علم و دانش کی شمع فروزاں کرنے کا تہیہ کیا اور اس کارِ خیر کو انجام تک پہنچایا۔ یہ ذوق اور جذبہ ملت کے ہونہار طلبا کے تئیں موصوف کی دور بینی، اجتماعی شعور، وسیع ادبی دلچسپی کے علاوہ سائنسی و عصری علوم کے فروغ کے موقف کا آئینہ دار ہے۔ وہ نہایت صبر و استقلال و انہماک سے اپنے دھن میں لگے رہے اور اسے جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں کے مصداق گردانتے رہے۔

پروفیسر احمد سجاد کی شخصیت کی کئی جہتیں ہیں۔ مختلف اداروں سے ان کی وابستگی اور پھر ادبی کارناموں کی ایک لمبی فہرست مرتب کی جاسکتی ہے۔ اب تک ان کی تقریباً دو درجن کتابیں شائع ہوچکی ہیں جن میں (1) ہندوستانی مسلمانوں کے بنیادی مسائل اور ان کا حل (2) تنقید و تحریک (3) دبستان رامپور کا ایک اہم فنکار۔ میر غلام علی عشرت بریلوی (4) جدید نظریات کی کھلی ناکامی اور اسلام کا روشن مستقبل (5) تعمیری ادبی تحریک۔ افکار و مسائل (6) داستان سحرالبیان (7) پندرہویں صدی ہجری۔ تقاضے اور مطالبات (8) تنقید و تنقیح وغیرہ کافی اہم ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعے سے پروفیسر احمد سجاد کے ادبی موقف کا اندازہ ہوتا ہے۔ موصوف ادب میں اخلاقی اقدار کی شمولیت کو ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ادب کو اخلاقی اقدار کے تابع ہونا چاہیے تاکہ ادب کا معیار باوقار اور قابل وقعت تسلیم کیا جاسکے۔ وہ اس نظریے کے علمبردار تھے کہ جس طرح اخلاقی اقدار زندگی کی تعمیر و تطہیر اور اس کو حسین و پرمسرت بنانے میں بنیادی رول ادا کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح ادب و فن بھی اقدار و عقائد کی حفاظت اور اظہار کے کام میں وسیلہ اور ذریعہ بنتا ہے۔ اخلاق و اقدار پر مبنی ادب انسانوں کے لیے لطف و مسرت کا ذریعہ اور بصیرت و برکت کا باعث بنتا ہے۔ پروفیسر احمد سجاد کے ادبی موقف کی وضاحت ان کے مقالے ''تعمیری ادب: فکر و فن کی روشنی میں، تعمیری ادب، چند سوالات، تعمیری ادب اور اس کے مسائل، موجودہ ادبی منظر نامے میں تعمیری ادب کا رول، عالمی ادبی تحریک۔ چند نظری و عملی مباحث'' وغیرہ میں تفصیل سے ملتی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

> ''تعمیری ادب درحقیقت محض اپنے ماحول کی پکار، ترجمان یا عکاس نہیں بلکہ نیا حوصلہ، نئی توانائی بخشنے والا، تشکیک سے نجات دلا کر یقین کی دولت سے مالا مال کرنے والا، نئی منزلیں اور نئی سمتیں عطا کرنے والا ہوتا ہے---یہاں فنکار تاریخی اور معاشرتی صداقتوں کا ابلاغ بھی کرتا ہے اور فنی صداقتوں کی بنیاد بھی استوار کرتا ہے۔''

(بحوالہ تعمیری ادبی تحریک، افکار و مسائل۔ ص:34)

پروفیسر احمد سجاد کے مذکورہ خیالات سے یہ نکتہ اجاگر ہوتا ہے کہ تعمیری ادب و شعر کا اولین مقصد حیات کی تعمیر و تہذیب ہے۔ اس میں وقتی نعرہ بازی یا پروپیگنڈے کی کوئی گنجائش نہیں۔ تعمیری ادب میں فن و مقصد دونوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے جو پانچ نکات پیش کیے ہیں وہ لائق توجہ اور قابل عمل ہیں۔ ان میں ایک اور نکتے کا اضافہ کرنا چاہوں گا کہ تعمیری ادب کی تخلیق کے سلسلے میں خود ادیب و شاعر کے کردار کو بھی بڑا دخل ہے۔ ادیب کے اچھے کردار کے بغیر اچھا ادب پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس مسئلے کو ادبی سے زیادہ عمرانی اور روحانی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ تعمیری ادب پر مبنی ان کی کتاب ''تعمیری ادبی تحریک۔ افکار و مسائل'' تین حصوں پر محیط ہے۔ پہلے حصے میں تعمیری ادب پر مشتمل مضامین ہیں جن میں چند کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ مثلاً ''جدید اردو افسانہ، جدید شاعری ... (بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
معاون مدیران : منور حسن کمال، سالم فاروق ندوی
Assisistant Editors :
Munawwar Hasan Kamal, Salim Farooq Nadwi
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***